مولانا ولایت علیؒ

وہابی تحریک کی تاریخ کم سے کم 1831ء سے 1858ء تک بہت حد تک خاندانِ صادق پور، پٹنہ سیٹی کے ولایت علی و عنایت علی کی جدوجہد کی تاریخ ہے۔ اس مشن کی ترقی و سربلندی کے لیے ان کے بے نفسانہ جوش اور تحریک کی خدمت میں ان کی طرح طرح کی قربانیوں کی سر ولیم ہنٹر نے بھی کھلے دل سے تعریف کی ہے۔

یہ دونوں صادق پور پٹنہ سیٹی کے فتح علی کے فرزند تھے۔ بڑے بیٹے ولایت علی 1205ھ 91-1790ء میں پیدا ہوئے۔ ان کا قد اوسط، رنگ سانولا اور تن و توش بھاری تھا۔ داڑھی رکھتے تھے۔ بھنویں جڑی ہوئی تھیں۔

تحصیل علم: چار برس کی عمر میں مکتب میں بٹھائے گئے۔ ذہانت و ذکاوت وافر سے سات برس کی عمر میں آپ کی استعداد اس حد تک پہنچی کہ مقررہ معلم سے آپ کی تشفی نہ ہونے لگی اور آخرش آپ کے والد بزرگوار مولوی فتح علی صاحب نے آپ کا سبق اپنے ذمہ لیا۔ پھر وہ لکھنؤ بھیج دیئے گئے۔ جہاں فرنگی محل کے عالم اشرف علی سے تعلیم حاصل کی۔ یہیں وہ سید احمدؒ سے ملے اور بیعت کی۔

شباب : اوائل عمری میں آپ بڑے بانکے تھے۔ آپ کا لباس و پوشاک لکھنؤ کے بانکوں سا تھا۔ اونچی چولی کا انگرکھا اور چوڑی دار پائجامے زری کے کام کا ٹخنے ڈھکے ہوئے پہنا کرتے اور صاحب زادوں کی طرح سونے کی انگوٹھیاں اور چھلے انگلیوں میں ڈالے رکھتے اور خوشبو اور عطریات سے بسے رہتے۔ آپ کے نانا مولوی رفیع الدین حسین صوبہ بہار کے آخری ناظم تھے اور جناب ولایت علی اپنے نانا کے بڑے لاڈلے تھے۔

ولایت علی کی پہلی شادی پندرہ سال کی عمر میں بی بی امیرن دختر مقصود علی ساکن قصبہ لبنا پکھولی، ضلع آرہ سے ہوئی۔ وہ لاولد وفات پا گئیں۔ ولایت علی نے دوسری شادی اپنے دکن کے قیام میں ایک مقامی امیر مرزا وحید بیگ کی بیٹی سے کی۔ اس شادی سے ان کی کئی اولادیں ہوئیں۔ پھر نکاح بیوگان کی سنت کو جاری کرنے کے لیے انھوں نے الٰہی بخش کی بیوہ دختر سے بھی شادی کی۔ یہ مقامی مسلمانوں کے اعلیٰ خاندانوں میں نکاح بیوگان کی پہلی مثال تھی۔

1826ء کا سنہ آیا تو سید احمد صاحب نے آزاد قبائل کی طرف روانہ ہونے کا منصوبہ بنایا اور جب عازم ہجرت ہوئے تو مولانا ولایت علی بھی دوسرے ہمراہیوں کے ساتھ ہم رکاب ہو گئے۔ سید صاحب نے راجستھان کے راستے سے جانے کا پروگرام بنایا کہ پنجاب سے ہوکر جانا آسان نہ تھا۔ اس موقع پر مولانا ولایت علی کو کابل کا سفیر بنا کر بھیجا۔ مگر کچھ دنوں کے بعد وہاں سے بلا کر حیدر آباد میں تحریک کی تبلیغ و تنظیم کا کام سپرد کر کے متعین فرمادیا۔ چنانچہ ولایت علی بحسن وخوبی ان کاموں کو انجام دے رہے تھے کہ بمبئی میں بالاکوٹ کے دردانگیز سانحہ شہادت کی خبر ملی۔ ان خبروں نے ولایت علی کو مجبور کر دیا کہ وہ پٹنہ آکر جماعت کی مزید تشکیل و ترتیب میں اپنے آپ کو وقف کردیں۔

پٹنہ پہنچ کر ولایت علی نے تحریک کی تنظیم نو اپنے ہاتھ میں لی۔ بہت سے لوگوں نے ولایت علی کے ہاتھ پر تجدید بیعت کی۔ انھوں نے مقامی مسجد ثمو ہیاں کو جو پٹنہ میں وہابیوں کا ایک اہم مرکز تھی، محمد حسین کے ذمہ کیا اور اضلاع مظفر پور، دربھنگہ اور چھپرہ میں بھی تحریک کی ذمہ داری انھیں کو سونپی اور شہر کی ایک اور مسجد فخر الدولہ میں نماز جمعہ دوبارہ جاری کی۔

مولانا ولایت علی نہایت ہی سرگرمی کے ساتھ مرکز کے کاموں میں منہمک تھے کہ 1844ء کا سنہ آگیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ سکھ حکومت کے خلاف انگریزوں کی سازشیں کامیاب ہو رہی تھیں اور گلاب سنگھ ڈوگرا والی جموں کی انگریز پرستی کھل کر سامنے آگئی تھی۔ کچھ عجب طرح کی بے بسی اور افراتفری کا عالم تھا کہ سید ضامن شاہ رئیس بالاکوٹ نے جب اپنے علاقہ کے استحفاظ کی خاطر مدافعانہ کارروائیاں شروع کیں تو گلاب سنگھ ڈوگرا سے ٹکر ہوگئی۔ اس ٹکر میں جب ضامن شاہ نے اپنی پسپائی کا احساس کیا تو مولانا ولایت علی سے امداد کا طالب ہوا۔ مولانا نے پانچ سو مجاہدوں کا ایک جتھا مرتب کر کے اپنے بھائی مولانا عنایت علی کی قیادت میں بالاکوٹ روانہ کیا۔ مگر مولانا ولایت علی کو کچھ ایسی خبریں ملیں کہ دلی سکون نہ ہوا اور صادق پور مرکز کی ساری ذمہ داری اپنے چھوٹے بھائی مولانا فرحت حسین کے سپرد کر کے خود بالاکوٹ کے لیے روانہ ہو گئے۔ مولانا کی کمانداری میں جنگ کا یہ نقشہ ہوا کہ گلاب سنگ کی فوجوں کو شکست پر شکست ہونے لگی۔ یہ نقشہ دیکھ کر ضامن شاہ کے دل میں مجاہدوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کھٹکنے لگی اور اس نے غدرانہ روش اختیار کرنا شروع کردی۔ یہی وہ زمانہ تھا کہ منصوبہ الحاق کے تحت انگریزی فوجیں پنجاب میں گھسنے لگی تھیں۔ بدلتے ہوئے حالات میں جس انگریزی سامراجی حکومت نے مہاراجہ رنجیت سنگھ اور رانی چندرا کو برداشت نہیں کیا وہ مولونا ولایت علی کو کیوں کر برداشت کر سکتی تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ انگریزوں نے ضامن شاہ کی اقتدار

پرستانہ ذہنیت سے فائدہ اٹھا کر اس کو آلۂ کار بنالیا اور پھر 1850 میں استھانہ کے لیے عازم ہجرت ہوئے اور دہلی پہنچے۔ یہاں انھوں نے جامع مسجد فتح پوری کے قریب ایک وسیع مکان میں قیام فرمایا۔ دوران قیام میں روزانہ وعظ کا سلسلہ قائم رہتا۔ اس مجلس وعظ میں بادشاہ بیگم زینت محل کے استاد مولانا امام علی اور دہلی کے مشہور اردو شاعر حکیم مومن خاں مومن بھی اکثر شریک ہوا کرتے تھے۔ مولانا کے وعظ و پند سے متاثر ہو کر یہ دونوں حضرات مولانا سے بیعت کے بعد حلقہ ارادت میں شامل ہو گئے۔ دہلی سے وہ اپنی منزلِ مقصود استھانہ پہنچ تو گئے مگر زیادہ دنوں تک زندگی نے وفا نہیں کی اور 5 رنومبر 1852 میں بعمر 64 برس رحلت فرما گئے۔ ستھانہ میں ہی مدفون ہوئے۔

('تذکرہ صادقہ' اور 'ہندوستان میں وہابی تحریک' سے ماخوذ)

لفظ و معنی

ملبوسات	۔	لباس و پوشاک
صاحب زادہ	۔	بیٹا
ترویج دین	۔	دین کی اشاعت
بارِ عظیم	۔	بڑا بوجھ
حلت	۔	حلال ہونا
حرمت	۔	حرام ہونا
شجاعت	۔	بہادری
ذکاوتِ وافر	۔	بے انتہا ذہانت
قائد	۔	رہنما، قیادت کرنے والا
رنگ محل	۔	لکھنو کی ایک قدیم درس گاہ کا نام
ہم رکاب	۔	سفر میں ساتھ رہنے والا
استحفاظ	۔	تحفظ کی چاہت
والیٔ جموں	۔	جموں کا حاکم

آپ نے پڑھا

- جنگ آزادی کے ایک مجاہد مولانا ولایت علی کا حال آپ نے گزشتہ صفحات میں مختصر طور سے پڑھا۔
- آپ نے پڑھا کہ ان کا تعلق علمائے صادق پور سے تھا۔ یہ ایسے علماء تھے جنھوں نے انگریزوں کے خلاف لڑائی میں کھل کر حصہ لیا۔
- آپ نے کچھ ایسے ہندوستانی راجاؤں کا حال بھی پڑھا جنھوں نے اپنی سہولت اور ہوس کی خاطر انگریزوں کا ساتھ دیا تھا۔

آپ بتایئے

1. مولانا ولایت علی صادق پوریؒ کب پیدا ہوئے؟
2. مولانا ولایت علی صادق پوریؒ کے والد کا نام کیا تھا؟
3. مولانا ولایت علیؒ نے تحصیل علم کی شروعات کس عمر سے کی؟
4. مولانا ولایت علی صادق پوریؒ کے نانا کا نام بتائیں۔
5. مولانا ولایت علی صادق پوریؒ نے کتنی عمر پائی اور کہاں وفات پائی؟
6. مولانا ولایت علی صادق پوریؒ کا ہم عصر والی جموں وکشمیر کون تھا؟
7. گلاب سنگھ کون تھا؟ اپنی واقفیت کا اظہار کیجیے۔
8. مولانا ولایت علی صادق پوریؒ کے فن حرب سے اپنی واقفیت کا اظہار کیجیے۔
9. مولانا ولایت علی صادق پوریؒ کے مکان پر کافی تعداد میں طلبا ہوتے تھے۔ ان کے کھانے پینے کا نظم کہاں سے ہوتا تھا؟
10. مولانا ولایت علی صادق پوریؒ اور گلاب سنگھ کی جنگ کہاں ہوئی تھی؟
11. انگریزوں نے مولانا ولایت علی صادق پوریؒ کی جمعیت کو توڑنے کی کوشش کی۔ کیوں؟
12. حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ سے مولانا ولایت علی صادق پوریؒ نے کس مضمون میں استفادہ کیا؟
13. مولانا ولایت علی صادق پوریؒ نے کتنی شادیاں کیں اور پہلی شادی کے وقت آپ کی کیا عمر تھی؟
14. سید احمدؒ نے مولانا ولایت علی صادق پوریؒ کو ہندوستان کے کس علاقہ کی خلافت عطا کی تھی؟
15. ضامن شاہ نے غدارانہ روش کیوں اختیار کی؟

16. دہلی میں قیام کے دوران مولانا ولایت علی صادق پوریؒ کے وعظ کی مجلس میں شریک اور اہم شخصیتوں کے نام بتائیں؟

17. بالاکوٹ روانگی کے وقت مولانا ولایت علی صادق پوریؒ نے صادق پور مرکز کی ذمہ داری کس کے سپرد کی؟

مختصر گفتگو

1. مولانا ولایت علی کی ابتدائی زندگی کے احوال قلم بند کیجیے۔
2. مولانا ولایت علی صادق پوری کی غذا اور لباس کے بارے میں بتائیے۔
3. جنگ آزادی میں جن علماء نے حصہ لیا ان میں سے چند سے اپنی واقفیت کا اظہار کیجیے۔

تفصیلی گفتگو

1. جنگ آزادی میں علمائے صادق پور کی خدمات پر روشنی ڈالیے۔
2. مولانا ولایت علی نے جنگ آزادی کی لڑائی میں کس طرح حصہ لیا؟ سمجھا کر لکھیے۔
3. جنگ آزادی میں مولانا ولایت علی کی معاونت کن لوگوں نے کی؟ اور کن لوگوں نے ان کی مخالفت کی؟

آیئے، کچھ کریں

1. اپنے استاد اور ساتھیوں کی مدد سے 'وہابی تحریک' کے بارے میں مزید باتیں جاننے کی کوشش کیجیے۔
2. تحریک آزادی میں علمائے صادق پور کی جو خدمات رہیں، ان کے بارے میں مزید کتابیں پڑھیے۔

ASSOL SOLUTIONS PATNA

خطبہ

خطبہ لفظ خطاب سے مشتق ہے۔ خطبہ کی جمع خطبات ہے۔ اس لفظ کے مفہوم کے لیے اردو میں لکچر اور اڈریس جیسی اصطلاحیں بھی رائج ہیں۔ ادائیگی کے لحاظ سے خطبہ تقریر کی طرح ہوتا ہے لیکن تقریر سے خطبہ اس معنی میں الگ بھی ہے کہ خطبہ دینے والے عموماً بڑے دانش ور ہوتے ہیں اور اکثر و بیشتر خطبات کے موضوع بھی متعین ہوتے ہیں۔ تمام خطبے کا ایک بنیادی مقصد ہوتا ہے کہ ان کو زیادہ لوگ سنیں اور ان سے استفادہ کریں۔ خطبے کو تخلیقی ادب میں شمار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ لیکن مختلف عوام کی مذہبی تاریخ کے مطالعہ سے خطبات کی ادبی و علمی اہمیت بھی واضح ہوتی ہے۔ مذاہب کے اندر پیغمبروں کی نصیحتیں، اولیائے کرام کے ملفوظات اور علمائے دین کے مواعظ خطبات کے زمرے میں آتے ہیں۔

ہندوستان میں جدید تعلیم کے فروغ کے دور میں خطبات کو باضابطہ ادبی شکل میں متعارف کرایا گیا۔ خصوصاً علی گڑھ کی تعلیمی تحریک کے زمانے میں اس عہد کے دانش وروں نے پورے ملک میں جو عوامی خطبات کا سلسلہ قائم کیا انہیں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ انگریز دانش وروں کے یہاں ایسے خطبات پہلے رواج پاچکے تھے اور انگریز دانش ور اپنے خطبات تحریری شکل میں بھی پیش کرنے لگے تھے۔

اسی زمانے میں سرسید احمد خان اور ان کے دیگر رفقائے کار اور سوامی وویکا نند کے تعلیمی خطبات اپنی افادیت ثابت کر چکے تھے۔ اردو میں پہلی بار سرسید کے علمی خطبات کو تحریری شکل دی گئی۔ سرسید کے رفقائے کار میں ڈپٹی نذیر احمد، شبلی نعمانی کے علاوہ سید سلیمان ندوی، علامہ اقبال، ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر ذاکر حسین اور مولانا علی میاں ندوی کے خطبات اردو نثر کے قیمتی ادبی سرمایے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان خطبات کی علمی و ادبی اہمیت مسلم ہے۔ ان خطبات کے نتیجے میں ہی ہندوستان کی سیاسی اور سماجی زندگی میں بے شمار اصلاحات پیش آئیں۔

ڈاکٹر ذاکر حسین

ڈاکٹر ذاکر حسین کا خاندانی تعلق آفریدی پٹھانوں کے ایک مذہبی گھرانے سے تھا۔ اٹھارہویں صدی کی ابتدا میں یہ خاندان اتر پردیش کے ایک قصبہ قائم گنج میں آباد ہوگیا۔ ذاکر صاحب کے والد نے وکالت کا پیشہ اختیار کیا اور ہجرت کر کے حیدر آباد چلے گئے جہاں ان کی وکالت چل پڑی۔ حیدر آباد میں ہی 8/ فروری 1897 کو وکیل صاحب کے یہاں ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام ذاکر حسین رکھا گیا۔ بچپن میں ان کی تعلیم و تربیت اعلیٰ خاندان کے بچوں کی طرح انگریز ٹیوٹر کی سرپرستی میں ہوئی جب وہ نو سال کے ہوئے تو ان کے والد کا وصال ہوگیا۔ پھر ذاکر حسین اپنے بھائیوں کے ساتھ اپنے آبائی وطن قائم گنج واپس آگئے اور ایٹہ ضلع کے اسلامیہ ہائی اسکول میں داخل ہوئے۔

1911ء میں ان کے آبائی ضلع فرخ آباد میں طاعون کی وبا پھیلی جس میں ذاکر حسین کی والدہ کا انتقال ہوگیا۔ ہائی اسکول پاس کرنے کے بعد ذاکر صاحب نے ایم اے او کالج علی گڑھ میں داخلہ لیا۔ علی گڑھ کالج کے ماحول سے ذاکر حسین بہت متاثر ہوئے اور یہیں ان کی شخصیت میں انقلابی تبدیلی آئی۔ اسی زمانے میں اکتوبر 1920ء میں مہاتما گاندھی اپنی عدم تعاون تحریک کی حمایت حاصل کرنے کے لیے علی گڑھ تشریف لائے اور ایک جذباتی تقریر کی جس سے متاثر ہوکر ذاکر حسین عدم تعاون تحریک میں شامل ہوگئے اور علی گڑھ کالج کو خیر باد کہہ دیا۔ اسی زمانے میں ذاکر حسین نے علی گڑھ میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کے نام سے ایک تعلیمی ادارہ قائم کیا جو بعد میں دہلی منتقل ہوکر یونی ورسٹی کی شکل اختیار کر گیا۔ پھر ذاکر صاحب جرمن تشریف لے گئے اور برلن یونی ورسٹی سے معاشیات میں پی ایچ ڈی کیا۔ وطن واپسی پر ذاکر حسین ماہر تعلیم کی حیثیت سے متعارف ہوئے اور جامعہ ملیہ کے وائس چانسلر بنائے گئے۔ جہاں انھوں نے تعلیم کے میدان میں نئے نئے تجربات کیے۔

جب ملک آزاد ہوا تو مولانا ابوالکلام آزاد نے وزیر تعلیم کی حیثیت سے ڈاکٹر ذاکر حسین کو علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کا وائس چانسلر بنایا۔ 1952 میں انھیں راجیہ سبھا کا ممبر بنایا گیا اور 1957ء میں ڈاکٹر ذاکر حسین صوبہ بہار کے گورنر بنائے گئے۔ 1962ء میں وہ ملک کے نائب صدر جمہوریہ اور 1967ء میں صدر جمہوریہ ہند بنائے گئے۔ اسی عہدے پر فائز رہتے ہوئے 3/ مئی 1969ء کو ان کا انتقال ہوا اور دلی میں مدفون ہوئے۔